إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

بیمارِ دردِ دل کو ہے ارمانِ دردِ دل

اور کیوں نہ ہو کہ درد ہے درمانِ دردِ دل

الحمد للہ مظہرِ جذباتِ دل محرکِ جذبات کامل العینی

مرتب

بندۂ حقیر و آثم محفوظ الکریم کلیم جبلپوری

باہتمام محمد طاہر خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ

در مطبع انجمن اسلامیہ جبلپور طبع گردید

۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

ملنے کا پتہ [illegible] قیمت [illegible]

فہرست منظوماتِ کتابِ دردِ دل حصہ اوّل

میں اس مجموعہ کو جو فی الحقیقت ان تمام بزرگان و مصلحان قوم کی تصانیف کا مجموعہ ہے۔ بلحاظ اس امر کے کہ ان ہی بزرگوں کے جوشِ اسلامی۔ دردِ دل اور پُر تاثیر کلام کے اثر سے مسلمانانِ ہند میں بیداری اور احساس پیدا ہوا ہے۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی۔ ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر اقبال۔ فدایانِ قوم مسٹر محمد علی جوہر۔ حسرت موہانی۔ مولوی ظفر علیخاں الصفا چودھری دلورام صاحب کوثری۔ نیاز فتحپوری۔ نیاز مظفرنگری انڈین شیکسپیر آغا حشر کاشمیری وغیرہ وغیرہ کے نامہائے نامی واسمِ گرامی پر معنون کرتا ہوں

خادمِ قوم

محمد محفوظ الکریم کلیم جیلپوری

عید کا نیا تحفہ
عیدین کے مبارک موقعوں پر جو تہنیت رسانی کی رسم ہے اس کے متعلق حسب دلخواہ قطعات دستیاب
نہیں ہوتے جو عزیز و اقارب وغیرہ کو بھیجے جائیں۔ ہم نے اس دقت کو محسوس کر کے اپنی ہم کے قطعات نہایت
کوشش و جانفشانی سے مہیا کئے ہیں جو بشکل کتاب موسوم بہ "تحفہ عید" چھپ کر تیار ہے۔ اس میں
کثرت سے نئے قطعات بلیغ جو موجودہ ضرورت فرمایش پر کہلائے گئے ہیں "تحفہ عید" واقعی اسم بامسمیٰ
ہے اور بطور تحفہ کے عزیزوں و دوستوں کو پیش کرنے کے قابل ہے۔ لکھائی۔ چھپائی نہایت اعلیٰ
کاغذ چکنا ٹائٹل رنگین مع سرورق دیدہ زیب قیمت صرف ۵ر
مرقع عبرت
(ایک عجیب و غریب لاثانی کتاب)
جس کی عمدگی دیکھنے پر موقوف ہے۔ جس میں مختلف شاعروں کے اچھے کلام کو جگہ دی گئی ہے جسکے پڑھنے سے
دل پر ایک عجیب عبرتناک اثر پیدا ہوتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا ایک حسرتناک منظر سامنے آجاتا ہے۔ شاذونادر
ہی دنیا میں ایسے انسان نظر آتے ہیں جو اپنے آخر وقت کو فراموش نہیں کرتے۔ ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ اس
کتاب کا مطالعہ اس خود فراموشی کے دفعیہ کا بہترین علاج ہے۔ اور نیکی کی طرف رجوع کرنے میں برق کا اثر
رکھتا ہے۔ کتاب کی عمدگی کا سب سے بڑھ کر ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور اخبارات مثلاً "نئی روشنی"
"الہ آباد" "پیسہ اخبار" لاہور "ہمدم" لکھنؤ "مساوات" الہ آباد "اہلحدیث" امرتسر "خطیب" دہلی "الفضل" قادیان
"نقاش" کلکتہ "المعالج" امرتسر "تجارت" شاہجہانپور "افتخار الاشتہار" لودھیانہ "اتحاد" امرتسر
"اودھ پنچ" لکھنؤ وغیرہ وغیرہ نے نہایت عمدہ الفاظ میں ریویو کئے ہیں۔ کاغذ نہایت عمدہ لکھائی
چھپائی قابل دید ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول ۲ر حصہ دوم ۳ر
المشتہر
ایس۔ اے۔ احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم کو اس وقت فلسفہ شاعری کی بحث منظور نہیں ہے۔ لیکن اس امر کا اظہار غالباً نامناسب نہ ہوگا کہ یہ امر مسلم ہے کہ بہ نسبت نثر کے نظم زیادہ موثر ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانی طبع کو نظم سے کچھ قدرتی لگاؤ ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ اس پر دال ہیں کہ جو اثر گھنٹوں کی تقریر اور صفحوں کی تحریر سے نہیں ہوتا وہ صرف ایک شعر سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ واقفانِ رموزِ فطرت نے پند و نصیحت ہمیشہ نظم کے پیرایہ میں کی ہے مسلمانانِ ہند ایک مدت سے خوابِ غفلت میں پڑے تھے اور وہ مرحوم شمس العلما مولانا حالی کا مسدس ہی تھا جس نے انہیں خوابِ خرگوش سے جگایا اور نیند کے ماتوں نے کروٹ بدلی۔ یہ اثر دیکھ کر دیگر اہلِ دل و قلم نے بھی اس طرف توجہ کی اور بہت سی منظومات کا زبان اردو میں ذخیرہ موجود کر دیا۔ جنکے مطالعہ سے اپنی پستی پر کبھی دل خون کے دریا بہا دیتا ہے۔ اور کبھی امید کے لہلہاتے سبز باغ کی سیر کرنے لگتا ہے۔ اور طلسمِ احساس سُست رفتار مسافر کو گرم رو کر دیتا ہے۔

اس قسم کی قومی نظموں کے مختلف مجموعے شائع ہوئے اور آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمیں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان قومی خدمت کی آڑ میں حقیقت میں طائرانِ نقود کو اپنی دامِ حرص میں لانا مقصود ہوتا ہے اور صرف چند صفحات کے رسالہ کی قیمت اُس کی حیثیت سے کئی گنا زیادہ رکھی جاتی ہے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ ہر حیثیت کا شخص ان سے مستفیض

نہیں ہو سکتا اور صرف چند کاپیاں فروخت ہو جانے سے مؤلفانِ رسالجات کی شہرت کے ساتھ دُکان خاصی طور پر چلنے لگتی ہے۔ یہ نفرت انگیز اصول ہمارے اِس خیال کا محرک ہوا کہ ایک ایسا سلسلہ قایم کیا جائے جسمیں تمام قومی نظموں کو جگہ ملے اور قیمت بالکل واجبی صرف صرفہ کے لحاظ سے رکھی جائے۔ اِس سلسلہ سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ مختلف نظموں کے مختلف رسالجات مختلف مقامات سے منگوانے کی زحمت اور بارِ نقد اُٹھانا پڑے۔ ہمارا قصد ہے کہ تھوڑے تھوڑے صفحوں کے رسالوں کا یہ سلسلہ مستقل قائم رہے تاکہ قیمت معمولی ہونے کے ساتھ تمام نظمیں ایک ہی جا مل سکیں۔

ہم یقین دلاتے ہیں کہ اس سلسلہ کے قائم کرنے سے نہ ہمیں اپنی شہرت مقصود ہے۔ نہ مؤلفوں کی فہرست میں نام شامل کرنا۔ نہ ہم تجارتی شخص ہیں نہ تجارتی اصول پیشِ نظر ہے بلکہ صرف یہ خیال بنائے تحریک ہے کہ تمام مفید و [illegible] کلام ایکجا صرف چند پیسوں میں عوام کو مل سکے اور اس طرح بیداری اور احساس کی بجلی جسمِ قوم کی رگوں میں جلد تر دوڑ جائے۔ اگر خدا نے کیا اور ہمارا مقصد حاصل ہوا اور عوام نے ہمارے اِس خیال کی تائید کی تو دیگر حصص بھی جلد شائع ہوتے رہینگے

شعرائے باوقار کی خدمت میں بادب التماس ہے کہ اس رنگ کا تازہ کلام ارسال فرماتے رہیں تاکہ آیندہ حصّوں کے لئے باعث زینت ہوں۔ اور اس طرح وہ بیرودہ وہ مستحقِ ثواب و شکریہ ہوں

بندۂ اثیم کلیم جبلپوری
یکم رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۶ھ

دردِ دل

حمد باری تعالیٰ

حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی

اے خالقِ دو عالم اے عز و شان والے　　اے آسمان والے۔ اے لامکان والے

یکتا ہے ذات تیری اعلیٰ صفات تیری　　بالا ہے بات تیری۔ اے آن بان والے

محکوم سب ہیں تیرے اے لازوالِ ہستی　　بری ہوا۔ یا بحری یا آسمان والے

انسان اور حیوان یہ مچھلیاں پرندے　　مخلوق سب ہیں تیری۔ اے لامکان والے

گلزار سبزہ تیرے اور خارزار تیرے　　اے گلستان والے۔ اے خاکدان والے

بندے ہیں سب ہی تیرے گورے ہوں یا کہ کالے　　یورپ کے رہنے والے۔ ہندوستان والے

رحمت کا منتظر ہے۔ ہر ایک تیرا بندہ　　اہلِ زمیں کے مالک۔ اے آسمان والے

قدرت سے تیری ششدر ہیں فلسفی جہاں کے　　علم و قیاس والے۔ وہم و گمان والے

ہے شان تیری اعلیٰ رتبہ ہے تیرا بالا — ہیبت سے کانپتے ہیں تیر و کمان والے
گردن کشوں کی گردن جھکتی ہے تیرے آگے — آتے ہیں تیرے در پہ سب آن بان والے
فرعون جیسے سرکش خود مٹ گئے ہیں آخر — دیکھا گئے ہیں نیچا اونچی دوکان والے
باقی ہے ذات تیری - فانی ہر ایک شے ہے — مٹی میں مل گئے ہیں - کیا آن بان والے
دنیا کے پہلوان ہیں مغلوب تیرے آگے — تیغ و سنان والے - تیر و کمان والے
کیا تخت و تاج والے مٹی میں مل گئے ہیں — نیچے گئے زمیں کے اونچے مکان والے

رحمت کا منتظر ہے اطہر تری الٰہی
تو ہے ہمارا مالک اے دو جہان والے

موجِ زمزم

آغا حشر کاشمیری

آسماں ہے محفلِ ہستی میں میخانہ مرا — کہکشاں میری صراحی چاند پیمانہ مرا
ہر نفس سے برق پا گیتی پہ ہوں مضراب زن — اضطرابِ برق ہے اک رقصِ مستانہ مرا
ساغرِ ہستی میں ہوں میں ارتعاشِ موجِ نو — جلوہ زارِ زندگی ہے مجھ سے میخانہ مرا
بارشِ مستی کے جلووں سے ہے فردوس آفریں — ہے شرابِ نور سے شاداب ویرانہ مرا
نکہتِ صہبائے مستی سے ہے تعمیرِ حیات — دہر میں اک موجِ رنگ و بو ہے کاشانہ مرا
دولتِ صبحِ قدم ہوں مایۂ شامِ حدوث — گلشنِ جنت نوائے رضواں ہے بیعانہ مرا
جزو جزو جامِ مے گلرنگ ہے ایک ایک حرف — بزمِ کن کو مست کر دیتا ہے افسانہ مرا

شعلہ آشامِ محبت زآتشِ دیرینہ ام

ساقیم در یثرب و خمخانہ آتش در سینہ ام

جلوہ پروردِ چراغِ خلوتِ الہام ہوں	میں امانت دارِ سوزِ سینۂ اسلام ہوں
ہے بھری جس میں شرابِ خندۂ صبحِ ازل	میں کفِ روح القدس پر وہ چھلکتا جام ہوں
ظلمتِ ہستی چرالائی ہے جیب نور سے	دولتِ گم کردۂ چرخِ زمرد فام ہوں
میری عظمت کی کہانی ہے حدیثِ کائنات	حاصلِ افسانۂ اوراقِ صبح و شام ہوں
میرے دم سے عنبر آگیں ہے مشامِ روزگار	دہر میں نکہت فروشِ طرۂ اسلام ہوں
لے کے آیا ہوں نویدِ کوثر آشامی یہاں	ساقیٔ خمخانۂ بطحا کا میں پیغام ہوں
آ تجھے بھی مست کردوں نغمہائے عشق سے	سن کہ گلبانگِ نواپردازیٔ ایام ہوں

می طپد صد جلوۂ شاداب در جانم ہنوز

تشنۂ ذوقِ تماشا ہست طوفانم ہنوز

آج اس کی آستاں بوسی کا مجھ کو ناز ہے	آسماں محفل میں جس کی فرشِ پا انداز ہے
میں غلام اس کا ہوں جس آقا کا نامِ پرجلال	دفترِ کونین کا سر رشتۂ آغاز ہے
اے مہ یثرب سنادے مژدۂ لاتقنطوا	بیکسیٔ شرمِ عصیاں گوش برآواز ہے
تو پیامِ آخری قرآں کلامِ آخری!	اک تتمہ! اور اک شرحِ کتابِ راز ہے
ہے بھری دریوزۂ رخ سے ترے کشکولِ طور	شعلۂ سینا گدائے جلوہ گاہِ ناز ہے
کس قدر نظارہ پرور جلوۂ معراج تھا	آج تک شوقِ لقا میں چشمِ انجم باز ہے
ہے دلِ جبریل شوقِ ہمعنانی کا شہید	دامنِ رخشِ تمنا جادۂ پرواز ہے

برقِ حسن تو ہمہ ساماں زخشک و تر گذشت

از متاعِ شوق - دردِ دل مشتِ خاکستر گذشت

اک سکوتِ یاس تھا دُنیائے ظلمت کار میں — سو رہی تھی صبح آغوشِ شبِ پندار میں
تُو نے آکر شب پرستانِ چمن کے واسطے — کی سحر پیدا گلستانِ خزاں آثار میں
بہ گیا سُوئے فنا خود اپنی طغیانی میں کُفر — آ گیا سیلاب موجِ رشتۂ زُنّار میں
کعبۂ وحدت کے آگے جھک گئی تعمیرِ شرک — ہو گئے بیتاب سجدے جبہۂ دیوار میں
روح نے خالق سے کی تجدیدِ پیمانِ الست — نغمۂ ماضی ہوا پیدا شکستہ تار میں
دل کی کھیتی لہلہا اُٹھی تری تکبیر سے — تھا نہاں طوفانِ شادابی لبِ گفتار میں
پرتوِ رخ سے ترے اے نوبہارِ کائنات! — شمعِ گل روشن ہے! ہر ویراں سرا کے خار میں

تا بدورِ آخری از دستِ تو ساغر گرفت
ایں کہن میخانہ را کیفیّتِ دیگر گرفت

اے کہ حجِّ عاشقاں طوفِ تجلّی گاہِ تو — صبحِ خنداں شبِ تیرہ بختِ دلخواہِ تو
لمعۂ از خاکِ کوئیت بُرد و مہرش کرد نام — در جبینِ چرخ تابہ سجدۂ درگاہِ تو
ذرّہ ہایش حسنِ یوسف قیمت خود گفتہ اند — ہے چہ ارزان ست جلوہ در تجلّی گاہِ تو
سطوتِ توحید نقشِ شرک را قیمت شکست — سکّہ زد بر قلبِ کثرت ضربِ اِلّا اللہِ تو
شوکتِ موسیٰ علمدارِ ورودِ پُر جلال — عظمتِ عیسیٰ نقیبِ موکبِ ذی جاہِ تو
قُدسیاں را علمِ اوّل قصّۂ ذکرِ جمیل — خاکیاں را درسِ آخر ذاتِ حق آگاہِ تو
دہر را نقشِ کفِ پایت طرازِ زندگی — نبضِ گیتی را رمِ خوں موجِ گردِ راہِ تو

یک شعاع انداختی و ہستیم پُر نور شد
ذرّہ ام بالید و حیرت خانۂ صد طور شد

الصّلوٰۃ اے ماہ تمہیدستانِ محشر را کفیل! — السّلام اے یومِ پیشِ حسبنا نعم الوکیل

الصلوٰۃ اے دردِ عصیاں رادوا جاں نواز! | السلام اے آتشِ جاں را نویدِ سلسبیل!
الصلوٰۃ اے از تو روشن بزمِ توریت و زبور! | السلام اے از تو گلشن حبیبِ موسےٰ و خلیل!
الصلوٰۃ اے آیۂ تقدیس را برہانِ صدق! | السلام اے نسخۂ توحید را شرحِ جلیل!
الصلوٰۃ اے طرزِ قوا گویاں براہت قدسیاں! | السلام اے مروحہ جنباں بنزمت جبرئیل!
الصلوٰۃ اے محوِ شوقت خستگانِ شرق و غرب! | السلام اے در فراقت گریہاے گنگ و نیل!
الصلوٰۃ اے چشمِ مہرت بندگیم راصلہ! | السلام اے کیفِ دردت عشق را اجرِ جمیل!

بیوا یانہ بدرگاہ تو سر افگندہ ایم!
یا بران و یا بخواں تو خواجہ با بندہ ایم!

دُعا

اے خدا دے زورِ دستِ خالدؓ و حیدرؓ ہمیں | پھر اُلٹنا ہے صفِ کفر و درِ خیبر ہمیں
مست تھی جس کے نشہ سے روحِ سلمانؓ و بلالؓ | ہاں پلادے پھر وہی صہبائے کیف آور ہمیں
دل صنم خانہ بنا ہے یادِ غیر اللہ سے | بُت بھی اب کہنے لگے مسلم نما کافر ہمیں
المدد اے نعرۂ اَللّٰہُ اَکْبَر المدد | بُت کدے کو پھر بنانا ہے خدا کا گھر ہمیں
تیری رحمت دیتی جاتی ہو تسلّی ساتھ ساتھ | لے چلے جب شورِ محشر ساری جانبِ محشر ہمیں
ڈگمگاتے ہیں۔ گرے جاتے ہیں تیرے ناتواں | اے تری رحمت کے صدقے تھام لے بڑھ کر ہمیں
تیرے در کو چھوڑ کر ہم بینوا جائیں کہاں | یا بتا دے اَور کوئی اپنے جیسا گھر ہمیں

دوسروں کو زور و زر دے عیش دے آرام دے
اور ہمیں اِس دولتِ دنیا سے صرف اسلام دے

شہر آشوبِ اسلام

علامۂ شبلی

ریاست ہائے بلقان نے ملکر ایک ساتھ ترکی پر حملہ کیا تھا اور اُس سے ترکی کو جو نقصانِ عظیم اُٹھانا پڑا تھا اُس پر تمام دنیائے اسلام نے خون کے آنسو بہائے تھے۔ ان ہی اشک فشانیوں کے چند قطرات یہ ہیں۔

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اُٹھے گا دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیئے پُرزے
فضائے آسمانی میں اُڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا۔ فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ سخت جاں کب تک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اِسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر ان کو دکھائے گا شہیدِ نیم جاں کب تک

یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لَے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سُنائے گا یتیمِ ناتواں کب تک
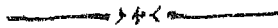
کوئی پوچھے کہ اے تہذیبِ انسانی کے اُستادو!
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

یہ جوش انگیزیٔ طوفانِ بیداد و بلا تا کے
یہ لطف اندوزیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اِس کا امتحاں کب تک

نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تم کو زخم ہائے خوں چکاں کب تک

یہ مانا گرمیٔ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو
دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تم کو اپنے دردِ دل کی داستاں کب تک

یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کب تک

عروسِ بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں
ہمارے ذرّہ ہائے خاک ہونگے زر فشاں کب تک

کہاں تک لوگے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے
عزیزو فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں؟
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

پرستارانِ خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اٹھے
تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قدسیاں کب تک

جو گونج اٹھے گا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ یزدانی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اُڑ کر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک

جو ہجرت کرکے جائیں بھی تو شبلی اب کہاں جائیں
کہیں اب کیا کہ دامن گیریِ ہندوستاں کب تک

اُن کے شہر ہم تھے ہمارے شہر تم

چودھری دلو رام کوثری

اک روز مرتضیٰ سے کسی منہ پھٹ نے یہ کہا
اے نائبِ رسولِ امیں دامِ ظلّکم

بوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں چین تھا — عثمانؓ کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خُم

کیوں آپ ہی کے دور میں جھگڑے یہ پڑ گئے — میری تو عقل ہو گئی اس مسئلہ میں گُم

کہنے لگے ہے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات

اُن کے مُشیر ہم تھے ہمارے مُشیر تم

ہم مسلمان کون ہیں

مولوی ظفر علی خاں بی اے

کچھ جانتے بھی ہو ہم نفسو! کس ملک کے ہم سب افسر ہیں

کس دُرج کے ہم سب گوہر ہیں، کس برج کے ہم سب اختر ہیں

ہم شانۂ زلفِ امانت ہیں، ہم لطمۂ روئے کہانت ہیں

آبادیٔ پہلوئے آمنہ ہیں، ویرانیٔ خانۂ آزر ہیں

فرزند ہم ابراہیمؑ کے ہیں، اور مستحق اُس تعظیم کے ہیں

پیراستہ جس سے فسانوں میں، القابِ جم و اسکندر ہیں

ایماں کے ہم ایما ہوتے ہیں، اور سجدہ بسیما ہوتے ہیں

ہم خاکِ درِ پیغمبر ہیں، یا سرمۂ دیدۂ خاور ہیں

صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم، فاروقؓ بنے تفریق میں ہم

ایماں طلبی میں بوذرؓ ہیں، خیبر شکنی میں صفدرؓ ہیں

ہیں جانِ حیا عثمانؓ کی طرح، ہیں آنِ وفا سلماں کی طرح

اسلام ہے کف ہم خنجر ہیں، طاغوت ہے رگ ہم نشتر ہیں

ہم صلّ لربّک پڑھتے ہیں، پروان اسی سے چڑھتے ہیں
کیونکر نہ عدو سب ابتر ہوں، ہم خیر کثیر کوثر ہیں

پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

ڈاکٹر اقبال۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

"ڈالی" گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے

فصلِ خزاں ہے تیرے گلستاں میں خیمہ زن — خالی ہے جیب گل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور — رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے

شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو — واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے
مذہب کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

فلسفۂ غم

مولوی نیاز محمد خاں نیاز فتح پوری

ہستیٔ تاریک کا مجمر فروزِ دل ہے تو! — طرح اندازِ سرِ ہنگامۂ محفل ہے تو!
ہے سکوں دریابِ راحت انتہائے جادہ پر — گو بظاہر انکسارِ ہستیٔ راحل ہے تو!

کامرانی ہے رہینِ اضطرابِ سعیٔ گرم　　اضطرابِ سعیٔ ہائے گرم کی منزل ہے تو!

موج کی بیتابیوں سے عرضِ جوہر کھل گیا　　نغمۂ سیالِ جیحوں بر لبِ ساحل ہے تو!

ہے وفورِ یاس میں پنہاں نمودِ قیسِ نجد　　آئینہ دارِ جمالِ صاحبِ محمل ہے تو!

خنجرِ تسلیم کی ناکامی ہے ظاہر میں اگر　　چشمِ حق بیں میں فرازِ خاطرِ بسمل ہے تو!

کتنا تجاہل شمس تو آدم و حوا سے کا ناز قیس ہوا

بہرۂ خلد سے تو دہر کا آئیں ہوا

شانِ دلداری شکستِ وعدۂ جاناں سے ہے　　رونقِ عارض سوادِ گیسوئے پیچاں سے ہے

منحصر ہو کی پریشانی پہ ہے کارِ شام!　　گل شگفتہ اضطرابِ شبنمِ غلطاں سے ہے

پارہ پارہ سے کھلا یہ رازِ موجِ انبساط　　خندۂ دل انقباضِ غنچۂ پیکاں سے ہے

پھونک دوں اپنے کو تو ہو خلق میری روشنا　　جوہرِ عالم آشنا اک آتشِ سوزاں سے ہے

رقصِ پروانہ سرود و خندۂ بزمِ وصال　　ایک شمعِ شب نشیں کے دیدۂ گریاں سے ہے

اضطرابِ نغمہ سے ہے مہرِ عشق نارسا　　یعنی کیفیت سازِ ہستی نالہ و افغاں سے ہے

گل گریباں چاک ہے تو خوش نوا بلبل بھی ہے

ہے فشانہ چاک تو مینا بھی ہے قلقل بھی ہے

قومی غزل

حسرت موہانی

غضب ہے کہ پابندِ اغیار ہو کر　　مسلماں رہ جائیں یوں خوار ہو کر

سمجھتے ہیں سب اہلِ مغرب کی چالیں　　مگر پھر بھی بیٹھے ہیں بیکار ہو کر

اُٹھے ہیں جفا پیشگانِ مہذب　　ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر
تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو　　کہ ہم بھی رہیں اُن سے بیزار ہو کر
ابھی تم کو سمجھے نہیں اہلِ مغرب　　بتا دو انہیں گرم پیکار ہو کر
فریب و دغا کے مقابل ہیں تم بھی　　نکل آؤ سب مجسم و خونخوار ہو کر
کہیں صلح و نرمی سے رہ جائے دیکھو　　نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر
یہ ترک و عرب ٹھان لیں اپنے دل میں　　رہیں گے نہ محکوم کفار ہو کر

وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
وفا کے ہیں طالب دل آزار ہو کر

ہمارے اسلاف اور ہم

سلف جن کے ایسے خلف اُن کے کیسے؟

شفق عماد پوری

ہم کیا تھے؟ یہ یروشلم کے میناروں سے پوچھو　　گرجوں کی گرائی ہوئی دیواروں سے پوچھو
ہمت کے دھنی جیسے تھے تلواروں سے پوچھو　　جوہر ہم کے جوہر کو بھی خونخواروں سے پوچھو
سر کٹ کے بھی دے دیتے تھے سایہ میں علم کے
دشمن کو بھی لے لیتے تھے سایہ میں علم کے

چمکے کبھی بر چرخ کبھی لہرائے بھنور سے　　تاریخوں کے اسباق ہیں ورق جن کے سنہرے
پانی تھے دمِ تیغ سے شمشیروں کے بھی زہر　　دو ہاتھ میں سو وار لگا دیتے تھے گھر سے
چمکی جو ہزاروں میں وہ شمشیر تھی کس کی؟

گونجی جو پہاڑوں میں وہ تکبیر تھی کس کی؟

قبضہ میں تھے سب چھوٹے بڑے جس کے وہ تھا کون؟　　مجرے کو سلاطین تھے کھڑے جس کے وہ تھا کون؟
محلوں میں جواہر تھے جڑے جس کے وہ تھا کون؟　　اسپین میں جھنڈے تھے گڑے جس کے وہ تھا کون؟

سِکّہ وہ جما کس کا سماتا یہ سماں تھا؟
بغداد میں وہ کس کا نشاں سر بفلک تھا؟

چھانے ہوئے تھے بحر و بر و دشت و جبل کون؟　　نعروں سے ہلا دیتا تھا کسریٰ کے محل کون؟
اٹلی سے جو بالے نہ ٹلا۔ تھا وہ اٹل کون؟　　روما پہ جمائے ہوئے تھا اپنا عمل کون؟

وہ منہ نہیں، کس منہ سے کہیں ہم کہ ہمیں تھے
لیکن ہے ابھی تک وہی دم خم کہ ہمیں تھے

سب کچھ تھے ہمیں کچھ نہیں اب وہ بھی ہمیں ہیں　　بالائے فلک ہم تھے۔ ہمیں زیر زمیں ہیں
تھے عرش نشیں اوج میں افلاک نشیں ہیں　　اعزاز ہمارا وہ کہاں؟ ہم وہ نہیں ہیں

ہم ہوں نہ ہوں۔ اسلام ہمارا تو وہی ہے
مٹنے پہ نشاں نام ہمارا تو وہی ہے

کہنے کو تو مسلم ہیں، مسلماں نہیں باقی　　مومن ہے لقب آج تک ایماں نہیں باقی
افسوس، وہ پابندیٔ ارکاں نہیں باقی　　افسوس، وہ ہمدردیٔ اخواں نہیں باقی

کیا مانگیں ترے در سے کہ داتا ہمیں کیا دے
"یارب ہمیں پھر جیسے تھے ویسا ہی بنا دے"

تو چاہے تو بگڑا ہوا ہر کام سنور جائے　　بکھرا ہوا شیرازۂ اسلام سنور جائے
آغاز کی صورت مرا انجام سنور جائے　　تقدیر لڑے۔ طالعِ ناکام سنور جائے

اُکھڑے ہوئے بے تیرے جمائے نہ جمیں گے
بگڑے ہوئے بے تیرے بنائے نہ بنیں گے

مُسلم

مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے

تو نے اے مُسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے | تو ہے انساں تجھ میں لیکن شانِ یزدانی بھی ہے
فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پر ہے سر ترا | نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نور انی بھی ہے
جس تمدّن سے ہوئی ہے خیرہ چشمِ روزگار | سُرمہ اُس کا تیرے نقشِ پا کی حیرانی بھی ہے
نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو | ڈھونڈتی پھرتی تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے
مرحمت تجھ کو ہوا ایمان بھی اور عقل بھی | تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے
تیرے دل میں درد اگر ہے آنکھ میں آنسو بھی ہیں | آگ سے ڈرتا ہے کیوں جب پاس ہی پانی بھی ہے
ساری دنیا کے فضائل تجھ کو ترکے میں ملے | تیری حکمت شرقی ہے اور یونانی بھی ہے
مشرق و مغرب کے گنجینوں سے ہے تو بہرہ ور | تیری الماری میں ملٹن بھی ہے قاآنی بھی ہے
تو چمکتا ہے ہر اک کشور میں بن کر آفتاب | تو اگر ہندوستانی ہے تو برطانی بھی ہے
مرتبہ جس کی بدولت تجھ کو یہ حاصل ہوا | کوئی اُس کا آج کے دن تک ہوا ثانی بھی ہے
ڈال رکھی ہے گلیمِ فقر اُس نے دوش پر | اُس کے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے
وہ خدا سے دور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی | وہ رسول اللہ بھی ہے ظلِّ سبحانی بھی ہے
نظم میں آجائے حسّان ابن ثابت کا جو رنگ | شعر کہنے کا مزا لطفِ ثنا خوانی بھی ہے
مدح خواں ہوں میں رسول اللہ کا میرا صلہ | عالمِ باقی بھی ہے اور عالمِ فانی بھی ہے

میری نذرِ گوہریں پہنچے گی اُن تک خود بخود
موتیوں میں گر درخشانی ہے تو غلطانی بھی ہے

بہتر یہی عمل ہے نصیحت عمل سے کر

چودھری دلورام کوثری

یوروشلم کی راہ کو اب تک یہ یاد ہے — یعنی کیا جو کوچ سپاہِ تمام نے
منزل جو نصف طے ہوئی آقا نے بس کہا — چھوڑی نکیل اونٹ کی فوراً غلام نے
اسلم[2] چڑھا جنابِ عمرؓ[1] نیچے آ گئے — پکڑی مہار عادلِ عالی مقام نے
یوں چڑھتے اور اُترتے کیا طے وہ سب سفر — حتیٰ کہ پہنچے بیتِ مقدس کے سامنے
چڑھنے کی باری اُس گھڑی اسلم کی تھی ضرور — پیدل عمرؓ تھے ناز کیا گردِ گام نے

یوروشلم میں فوجِ ظفر موج جب گئی — پوچھا "خلیفہ کون ہے" یہ اہلِ شام نے
سب نے کہا کہ آتے ہیں پیچھے امیرِ پاک — یہ سُن کے انتظار کیا خاص و عام نے
مضطر عمرؓ تھے اور تھا اسلم چڑھا ہوا — اس حال میں حضور کو دیکھا تمام نے
ہر چند تھے تھکے ہوئے لیکن پیادہ تھے — چھوڑا نہ عدل ہاتھ سے ذی احتشام نے
چمڑے کا پیرہن تھا کہ پیوند تھے ہزار — غش غش کیا خلیفہ پہ اک ازدحام نے
فاروقِ نامدار نے اُس وقت یوں کہا — ہم کو یہی سکھایا ہے خیر الانام نے
یہ دیکھ کر عمل جو دلوں پر اثر ہوا — کلمہ پڑھا نبی کا گروہِ عوام نے

---

[1] حضرت عمرؓ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام

بہتر یہی عمل ہے ہدایت عمل سے کر جیسے کیا تھا شیخ عدالت مرام نے

ہم کو تری کہیں گے تجھے قادر الکلام

سو سو اثر دکھائے ترے اک کلام نے

دعوت درد۔

نیاز محمد خاں نیاز فتح پوری

اٹھ دلِ راحت طلب پیدا سرِ شوریدہ کر آپ بھی غم دیدہ ہو اوروں کو بھی غم دیدہ کر

پھونک دے محفل کو اپنے شعلۂ آواز سے گرمیٔ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفتیدہ کر

شہرہ آسا اہلِ بینش کی نگاہوں میں سما ذرۂ ہستی کو اپنے اور بھی سائیدہ کر

شور پیدا کر جہاں میں نالۂ بیتاب سے زخمہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر

کر سکے گریاں شمعِ ہستی کو دکھا اس کا فروغ یعنی نذرِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر

ہاں! زمانہ دیکھ لے رفعت تری شکلِ ہلال اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر

کارواں کی چشمِ خوابیدہ کا ہو جا درد تو

سب پہ وہ سرگرمِ نغمہ ہو تو بن جا گرد تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے زندہ کر دے اہلِ محفل کو اسی اعجاز سے

طائرِ سدرہ! ہماری خستگی پر کر نظر زورِ بازو گھٹ گیا، پَر رہ گئے پرواز سے

جھانک لے پھر پردۂ بردِ یمانی سے ذرا پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ ادا پرداز سے

وہ حدی خوانی کے نغمے۔ وہ سرودِ رجز۔ آہ ہو گئے نا آشنا اپنے پرائے ساز سے

ہم نوا ہوں غیر کا ہیں بھی بھلا کن کی مجال جب کراہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے

محو کر دل سے خطا دلدادگانِ حسن کی　روٹھتا ہے یوں کبھی کوئی عاشقِ جانباز سے

سر اگر ہم کو دیا ہے سرفروشی بھی سکھا

مے عنایت کی تو پھر وارفتہ ہوشی بھی سکھا

صاحب بہادر اور مُسلِم کا مکالمہ

مولوی عبداللہ نیاز

صاحب بہادر۔

ہم کو افسوس ہے تو آج وفادار نہیں　کیا ترا فرض ہوا خواہیٔ سرکار نہیں

عہدِ برطانیہ میں چین سے رہتا ہے تو　کوئی تکلیف نہیں۔ غم نہیں آزار نہیں

ہم نے احسان کئے اوروں سے زیادہ تجھ پہ　اِس حقیقت سے کسی شخص کو انکار نہیں

پھر بھی تو جنگ و بغاوت پہ کمربستہ ہے　فتنۂ حشر سے کچھ کم تری رفتار نہیں

بات کرتا ہے تو جھڑتے ہیں شرارے منہ سے　ہے کوئی آگ کا طوفاں۔ تری گفتار نہیں

تیری تحریر نے شورش کا لیا ہے ٹھیکہ　جس میں حملے نہ ہوں ایسا کوئی اخبار نہیں

دیکھ ابھی وقت ہے اصلاحِ روش کرلے تو　فائدہ بخش ترے حق میں یہ اطوار نہیں

ورنہ یہ دل میں سمجھ لے کہ تری گردن سے　کچھ بہت دور گورنمنٹ کی تلوار نہیں

مُسلِم۔

آپ دانا ہیں مجھے حاجتِ اظہار نہیں　صاف باطن ہوں۔ فریبی نہیں مکّار نہیں

حق پہ قربان ہوں۔ ایمان کا دلدادہ ہوں　خوفِ خنجر نہیں اور مرنے سے انکار نہیں

نہ بغاوت سے غرض ہے نہ شرانگیزی سے　بات اتنی ہے کہ میں قوم سے بیزار نہیں

کم نہ ہو گوہرِ انصافِ حکومت کی چمک — اس سے بڑھ کر کوئی خواہش مری زنہار نہیں

تاج کا بندۂ فرماں ہوں میں دل سے لیکن — خود غرض اور خطابوں کا طلبگار نہیں

گیت گاتا ہوں شہنشاہِ معظم کی سدا — پر غزل خوانیٔ مسٹن سے سروکار نہیں

آپ مختار ہیں جو چاہیں مجھے ٹھہرائیں
حامیٔ دیں ہوں مگر دشمنِ سرکار نہیں

قومی دلّال

کشّاف

راز کے پردے میں بیٹھے چھپ کے یوں بدخواہِ قوم — پردہ داری کرتی ہیں جس طرح گھونگھٹ والیاں

تھا اگر منظور پردہ۔ تو پہن لیتے وہ کاش — چوڑیاں ہاتھوں میں اور کانوں میں پتے بالیاں

پھر نہ حکمت چل سکی جا پہونچے جب کچھ شیر مرد — مثل بیماروں کے چہرہ سے کھلیں بدحالیاں

پھٹ گیا القصّہ پردہ کھل گیا پردے کا راز — آگیا غصہ نہ بجیں جس وقت صد ہا تالیاں

بے تکی گلخپ لگیں کرنے پر وتی عورتیں — ایک القرسہ لگی دینے مہذب گالیاں

شکل بوالائی ہوئی اور منہ سے بے معنی صدا — جیسے پھرسے کوئی لوکھل بھر کے منہ میں چھالیا

مردنی سی چھا گئی آخر رخِ امید پر — بن گئیں یاروں کی آنکھیں مقبرے کی جالیاں

ملک میں کیا خاک ہوں سرسبز ایسے خشک مغز — ہو نہیں سکتیں ہری پیڑوں کی سوکھی ڈالیاں

قوم پر ناقص اثر ڈالے گی یہ رفتارِ بد — ہوتی ہے نفرت جہاں بہتی ہیں گندی نالیاں

ہیں یہ بدخو۔ ہوشیار اے قوم ان سے ہوشیار — تیرے سر لانے کو ہیں کم بخت بد اقبالیاں

کچھ صلے کی آرزو گھیرے ہے اے کشّاف انہیں — بیچ میں پڑ کر چلے کرنے جو یہ دلّالیاں

سرکار کا نظر پٹو

مولوی ظفر علی خاں۔ بی۔ اے

کبھی ہندو سے گردش میں کبھی مسلم سے چکر میں ۔۔۔ پھرا کرتا ہے یوں ہی چرخِ ناہموار کا لٹو
عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی پر ہے ۔۔۔ انھیں آنکھوں کا تارا تھے مگر کل تک میاں چھٹو
خوشامد کا عراقی اڑ رہا مسجد کے زینے پر ۔۔۔ مسلماں ہی کا تو ہے آخر یہ اڑیل مشرقی ٹٹو
مری سرکار کا اُلو نکل کر جا نہیں سکتا
کبھی ہندو بچہ پٹو، کبھی مسلم نظر پٹو

خود فراموشی

نیاز محمد خاں۔ نیاز۔ فتح پوری

اے مسلماں! وہ مذاقِ پیش دستی کیا ہوا ۔۔۔ کیا ہوا۔ وہ اضطرابِ نبضِ ہستی کیا ہوا
مانعِ طوفاں لوائے شوکتِ ساحل نہیں ۔۔۔ سنگِ رہ فرسودگیِ ہمتِ راحل نہیں
آگیا باہر مذاقِ سیرِ نکہت کو لیے ۔۔۔ رہ گئی دیوارِ گلشن اپنی قدرت کو لیے
خود فراموشی ہے قصرِ بے نیازی کا نشاں ۔۔۔ راہِ فطرت ڈھونڈھتا ہے چین دامن میں کہاں
ہو ترے عنوانِ مطلب سے ضیا کا اقتباس ۔۔۔ لے گدازِ شمع سے تو درسِ طرزِ التماس
جوہرِ آئینۂ دل کو ذرا بے تاب رکھ
ہستیِ سیماب وش کو صورتِ سیماب رکھ
ذوقِ نظارہ ہو منت کش تری پرواز کا ۔۔۔ برقِ ہر جلوہ سے پیدا ہو تقاضا ناز کا

غنچۂ دل میں ترے ظالم پریشانی بھی ہے　　کثرتِ جلوہ سے تیرے چاکِ دامانی بھی ہے

شورشِ ذوقِ نظر پہ ہے گراں جانی تری　　خامشی عنواں ہوئی کیوں نالہ سامانی تری

جمع اجزا ہیں ہستی کی طرح انگیزیاں　　بکھرے تنکے آشیانہ تو - داستانِ گلشن پریشاں

کیا تمیزِ انعکاسِ شاہد و مشہود ہو　　صیقلِ آئینۂ ہستی جو زنگ آلود ہے

بال و پر تجھ میں نہیں - بامِ حرم کو چھوڑ دے　　سنگ ہے تو - شکوۂ ابرِ صنم کو چھوڑ دے

تو قدح خوارِ جنوں تھا - سرشک ہر ویرانہ تھا

حلقۂ زنجیر بھی تجھ کو - خطِ پیمانہ تھا

زبانِ حال

ابو الصواب رعب شاہ آبادی

طرزِ خاموشی نواسنج - اور پھر خاموش ہوں　　پردۂ مینا میں گویا بادۂ سرجوش ہوں

مژدہ اے ننگِ ہوس بازی کہ پاسِ وضع ہے　　رخصت اے ناموسِ خودداری کہ بس بیہوش سا ہوں

اہلِ محفل کو مبارک لذتِ ہستی - کہ میں　　محوِ ذوقِ بیخودی ہوں ناآشنائے ہوش سا ہوں

سعیِ بیداری عبث - اے انقلابِ روزگار　　غافلِ صبحِ ازل - وقفِ خمارِ دوش ہوں

کچھ تو ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ آنکھیں کھل گئیں　　کچھ تو ان کانوں سے سنتا ہوں کہ یوں خاموش ہوں

سحر کاری ہائے رنگ آمیزیٔ فطرت نہ پوچھ　　خارزارِ حسرتِ ہستی ہوں لیکن گل بہ آغوش ہوں

یادِ ساقی کیا ہو بزم افروزِ بیہوشی ہے تو وہی　　کشمکشِ فرسودۂ کلفت ہوں سبکدوش ہوں

اک طلسمِ بند و بستِ دل ہے نیرنگِ بہار　　کھل نہیں سکتی حقیقت کیا حقیقت کوش ہوں

دولتِ باقی ہے شوقِ دید میں کیسی فنا　　حلقۂ چشمِ تماشا یعنی ترا آغوش ہوں

نالہ کرتے کرتے اشک آنکھوں میں بھر کر پی گیا کیا فراغت ہے کہ لذت گیر نالے دل نوش ہوں

حالِ عبرت زار ہوں ورنا کامِ چشمِ اعتبار آہِ درد آلودہوں اور نارسائے گوش ہوں

تو اگر ہے بے نیازِ شکوۂ جور و ستم میں بھی دردِ ضبط کا اک پیکرِ خاموش ہوں

حضرتِ رعب آج رنگِ دورِ صہبا دیکھئے

کہہ رہی ہے چشمِ مستِ ساغرِ پُر جوش ہوں

آہنگِ جُنوں

پنڈت جواہر ناتھ۔ ساقی۔ دہلوی

طالبِ ذوقِ تماشا گامِ فرسائے جُنوں کر رہے ہیں شوق میں تحقیقِ آوائے جُنوں

جذبِ حیرت آفریں ہم ہیں تماشائے جُنوں جو کوئی دیکھے وہ ہو مجنونِ لیلائے جُنوں

کچھ خبر تجھ کو نہیں۔ اے محوِ سودائے جُنوں ہے نگاہِ عشوہ بیجا کار فرمائے جُنوں

ہم ہیں اہلِ جذب اسم با مسمّائے جُنوں کر دیا شوریدگی نے بے سر و پائے جُنوں

رنگِ تمکیں قاضیِ حاجات بیجا وہ نہ ہو پھر گریباں گیر ہے میر التقاضائے جُنوں

ہاں بپا ہے سر حلقۂ موئینہ پوشاں۔ ہاں بپا تیرے قامت پر ہی موزوں ہے یہ دیبائے جُنوں

نسبتِ عشقِ ازل نے ہوش بیگانہ کیا حسنِ شیدا کیوں نہ ہوں رہنِ تولائے جُنوں

دیکھتا ہے وہ مرے داغِ نمایاں کی بہار شاہدِ روپوش ہے آئینہ پیدائے جُنوں

خاکسارِ عشق ہم ہیں پردہ دارِ ضبطِ راز اختیاری صبر ہے تسلیم مجرائے جُنوں

محرمِ صحرا نوردان۔ سالکِ سادہ نہیں رُبع مسکوں سے الگ ہوتے ہیں اقصائے جُنوں

نارِ خارِ ہجر سے اک گونہ فرصت مل گئی بن گیا مدِّ نظر گل نامِ رعنائے جُنوں

بحرِ توحیدِ عیانی کے ہوئے ہیں آشنا
پر کہیں پایاب ہو سکتا ہے دریائے جنوں

جذبِ قلبی بن گیا آخر کو شانِ التفات
ہو گیا ظاہر مرا آہنگِ سودائے جنوں

ساغر و مینا کی صورت میں شہود و غیب ہیں
تو نہیں صاحب نظر لے بادہ پیمائے جنوں

عشوہ پیکر شوخ نے آشفتۂ ایسا کیا
مظہرِ چینِ جبیں ہے نقش سیمائے جنوں

جو ہیں محرومِ لبادہ بابِ جذب کب تو
کیوں ملے تجھے کیف کو تشریفِ زیبائے جنوں

ہے جنونِ عشق میں حسنِ تصرف کی ضیا
وہ نظر تیری نہیں اے ناشناسائے جنوں

شاہدِ مستور نے کیوں ہم کو بے پردہ کیا
شش جہت میں دیکھ لو ہونچا ہے غوغائے جنوں

انفسِ آفاق میں رنگِ تعین محو ہے
دیکھ اے بالغ نظر پنہاں و پیدائے جنوں

یہ کرشمہ بوالعجب یا للعجب کیسا ہوا
کیا دکھاتا ہے تماشۂ حیرت افزائے جنوں

یوسفِ دیدار نے آوارۂ مصری کیا
رابطہ دل کا بنا شکلِ زلیخائے جنوں

صبحِ روشن بن گئی تمکینِ قلبی عاقبت
ہم نفس برسوں ہیں شب ہائے یلدائے جنوں

ہم کو استیلائے جذبی نے کیا ہے دم بخود
تو ہے کیوں خاموش اے محوِ تماشائے جنوں

سائلِ رنگیں بیاں کا شوقِ غالب دیکھ کر
بن گئے ذوقِ نظر ہم پیکر آرائے جنوں

بلبلِ کشمیر! ہم حسنِ سلوکِ عشق سے
ہو گئے شوریدۂ نیرنگِ صہبائے جنوں

ساقیٔ مجذوب کیا ہے۔ آج کیوں بے کیف ہے
طالبِ جامِ تعشق مستِ مینائے جنوں

تغیراتِ زمانہ

حافظ محمد یعقوب۔ اوج گیاوی

کبھی مفلس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے غنی ہوتے
کبھی اہلِ دول کو ہم نے بے اسباب دیکھا ہے

کبھی تالاب کو دیکھا ہے ہم نے خشک ہو جاتے
کبھی دریا میں آتے ایک بیک سیلاب دیکھا ہے

کبھی محوِ طرب یاروں کو دیکھا بزمِ شادی میں
کبھی احباب کو با دیدۂ پُرآب دیکھا ہے

کبھی فصلِ بہاری میں بھی افسردہ چمن پایا
کبھی فصلِ خزاں میں نخل کو شاداب دیکھا ہے

کبھی دیکھا ہے جن کو بوریا مشکل سے ہاتھ آیا
انہی کے گھر میں فرشِ قاقم و سنجاب دیکھا ہے

بہت دن تک رہے ہیں آج اِس قصرِ طلسمی میں
بہت کچھ ہم نے حالِ عالمِ اسباب دیکھا ہے

سرابِ ہستی

غلام بھیک - نیرنگ - بی۔ اے

ہاں اے مصافِ ہستی مت پوچھ مجھ سے کیا ہوں
اک عرضۂ بلا ہوں۔ اک لقمۂ فنا ہوں

نے مجھ کو جائے ماندن۔ نے مجھ کو پائے رفتن
میں راندۂ قدر ہوں۔ آوارۂ قضا ہوں

مجبوریوں نے ڈالا۔ گردن میں میری پھندا
خوکردۂ وفا ہوں۔ جاں دادۂ رضا ہوں

جو میری حالتیں ہیں۔ ساری مصیبتیں ہیں
نکبت کی ابتدا ہوں۔ شامت کی انتہا ہوں

صیاد حادثہ کا۔ کرتا ہے میرا پیچھا
مرغِ بریدہ پر ہوں۔ صیدِ شکستہ پا ہوں

ہے ذات میری مجمع۔ ساری برائیوں کا
کہنے کو میں بُرا ہوں۔ لیکن بہت بُرا ہوں

آزادیوں کی مجھ پر۔ تہمت۔ غلط سراسر
میں قیدیِ ہوس ہوں۔ میں بندۂ ہوا ہوں

اک بات ہو تو پاؤں۔ اک درد ہو سناؤں
روؤں بھلا کہاں تک۔ کب تک پڑا کراہوں

فریاد کی اجازت مجھ کو نہ کوئی فرصت
ظاہر ہمہ خموشی۔ باطن ہمہ بکا ہوں

کم بخت دل کچھ ایسا۔ میں ساتھ لے کے آیا ایک لمحہ جس کے ہاتھوں دُنیا میں سکھ نہ پایا
جو جوش اس میں اُٹھا۔ حالات نے دبایا جو شعلہ اس میں بھڑکا۔ تقدیر نے بجھایا
اُمّید کا یہ غنچہ۔ کھلتے کبھی نہ دیکھا یہ آرزو کا پودا۔ پھلتا نظر نہ آیا
دِل سوزیِ خلائق۔ سو بار اِس میں اُٹھی ق ابرِ جنونِ اُلفت۔ سو بار اِس میں چھایا
عزمِ رہِ اخوت۔ ہر اِک طرح سے ٹھانا فیّاضیوں کا بیڑا۔ سو سو طرح اُٹھایا
گو اِس میں موج زن تھی۔ قوم و وطن کی اُلفت لیکن غرض نے اُس کو۔ کچھ اور ہی سکھایا
ہوتی نہیں رسائی۔ اُمّید کے اُفق تک طُولِ اَمل نے اِس کو۔ اِک جال میں پھنسایا
جو آرزو ہے اِس کی۔ ناکامیِ اَبد ہے ارمان اِس کا حرماں۔ اُمّید اِس کی مایا[۱]

پائی نہ وائے اِس نے۔ طاقت بقدرِ ہمّت
بے اختیاریوں نے۔ یہ روزِ بد دکھایا

کی رہبرِ خرد نے۔ ہر چند رہنمائی اِس جہد پر بھی لیکن۔ کھُلتی نہیں سچائی
پایا نہیں ہے اب تک۔ مقصد کا اپنے ساحِل کی بحرِ معرفت میں۔ دن رات آشنائی
اِس جستجو میں میں نے۔ کی سیرِ طور و ایمن تربت کو گھر بنایا۔ جنگل سے لَو لگائی
مندر کو جا کے دیکھا۔ گرجا میں جا کے ڈھونڈھا مسجد کو چھان مارا۔ اُس کی نہ دید پائی
جوگی کا رُوپ دھارا۔ بن میں کیا گزارا تن پر بھبوت مل کر۔ دھُونی بہت رمائی
جپ تپ میں عمر اپنی۔ کی میں نے تیر اکثر بن بن کے پیر راہب۔ جا خانقاہ بسائی
صُوفی بھی بن کے دیکھا۔ اور رندِ بے ریا بھی کر نعرۂ انا الحق۔ ایک کھلبلی مچائی
پھرتی ہیں ماری ماری مشتاقِ جلوہ آنکھیں پر ایک جھلک سے بڑھ کر۔ دیتا نہیں دکھائی

[۱] دھوکا۔ چھلاوا

بے فائدہ ہے ساری۔ یہ عقل کی تگاپو
تا منزلِ حقیقت۔ ممنوع ہے رسائی

اُٹھ جا نظر سے میری۔ ہاں اے حجابِ ہستی
حُسنِ ازل نہاں ہے۔ زیرِ نقابِ ہستی

یہ زندگیٔ انساں۔ اِک خواب ہے پریشاں
بیداریٔ عدم ہے۔ تعبیرِ خوابِ ہستی

میں چاہتا ہوں ساقی نشۂ مے فنا کا
بیگانۂ خِرد ہے۔ مستِ شرابِ ہستی

طالب ہوں اب سکونِ۔ دنیائے نیستی کا
یہ کشمکش کہاں تک۔ اے اضطرابِ ہستی

دیکھیں اگر تو کیونکر۔ ہم جلوۂ معارف
تو ظلمتِ نظر ہے۔ اے آفتابِ ہستی

تسکیں کو زہرِ قاتل۔ آب و ہوائے عالم
راحت کا دشمنِ جاں۔ ہر انقلابِ ہستی

یہ میرے دل کی حالت۔ یہ میری روح کی گت
کہلاؤں کس صفت پر۔ میں انتخابِ ہستی

اے تشنۂ حقیقت۔ دھوکے میں تو نہ آنا
اک دامِ پُرخطر ہے۔ موجِ سرابِ ہستی

چاہے اگر رہائی۔ پیش از فنا فنا ہو
پاداشِ جُرمِ ہستی۔ ہے یہ عذابِ ہستی

حسنِ معنی

سیّد اکبر حسین جج۔ اکبر الٰہ آبادی

معنی کا حسن نہیں تو ترے دل میں کچھ نہیں
لیلیٰ اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کارِ جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اِک دل لگی ہے سعی میں حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتابِ خضرِ رہِ معرفت ہے تو
اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزہ یہ ہے کہ مرے دل میں کچھ نہیں

اُن کی سُنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف — اوہام کے فسانہ باطل ہیں کچھ نہیں

افسانۂ حسنِ گل کا بڑی چیز ہے حضور — کہتے ہیں آپ شورِ عنادل ہیں کچھ نہیں

اسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ — لیکن یہ سب زباں پہ ہے دل میں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا — حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دل کش بہت ہے افعیِ گیسوئے اختلاف — کونسل سے کیوں کہوں کہ تیرے بل میں کچھ نہیں

اسلام

مولوی ظفر علی خاں۔ بی۔ اے

ہے کسی مذہب کی منت کش اگر عقلِ سلیم — ہے وہ مذہب مذہبِ اسلام باللہ العظیم

جس شبستاں میں چراغِ عقل بھی خاموش ہے — ہے وہاں اسلام خود ہی شمع اور خود ہی حریم

کوئی دیں نوعِ بشر کے حق میں رحمت ہے اگر — ہے وہ دیں لایا ہے جس کو ایک مکہ کا یتیم

رحمۃ للعالمین پیغمبرِ اسلام ہے — ہے خدا اسلام کا جس طرح رحمٰن و رحیم

کوئی دیں اسلام سے بڑھ کر نہ ہوگا عام فہم — ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے اِس کی لام میم

یہ وہ مذہب ہے بشارت جس کی دیتا ہے مسیح — یہ وہ مشرب ہے شہادت جس کی دیتا ہے کلیم

ہیں اسی کے نقشِ ثانی جو حقائق ہیں جدید — ہیں اسی کے نقشِ اوّل جو معارف ہیں قدیم

جس قدر ہیں اگلے اور پچھلے مذاہب سب ہیں ہیچ — انضباط اِس کا نتیجہ اور اعتدال اس کا عقیم

ماسوا کو تیغ گر کہیے یہ اس کی ہے چمک — ارتقا کو نافہ گر کہیے یہ اس کی ہے شمیم

فطرتِ انساں کو اِس نے غوطہ اُس خم میں دیا — جس میں ہے آمیزشِ رنگِ خداوندِ حکیم
پیتے ہی جامِ شرابِ "فطرۃ اللہ التی" — ہو گئے مفلس غنی اور بن گئے جاہل علیم
جو شقی تھے بن گئے اُس کے تصدق میں سعید — مل گیا کوثر انھیں تھا جن کی قسمت میں جحیم

قیصر و کسریٰ کی گردن اُن کے آگے جھک گئی — اور بڑھ کر جو مصطفیٰ کے دیں کی نکلے تھے کلیم
امتیازِ ابیض و اسود یہاں جائز نہیں — ہیں غلام اس سرزمیں کے تاجداروں کے سہیم
پڑھ نہیں سکتا غرض اوّل سے آخر تک کوئی — ہے کتابِ اسلام کے احسان کی اتنی ضخیم

ساری دنیا میں اُجالا ہو گیا توحید کا — شمعِ محفل جب بنیں آیاتِ قرآنِ کریم
بوئے جانِ مصطفیٰ آئی مشامِ خلق میں — باغِ کثرت میں چلی جس وقت وحدت کی نسیم
ہے علیٰ قدرِ سعادت اہلِ ایماں کا یہ فرض — مشرق و مغرب میں پھیلائیں یہ روح افزا شمیم
جو بھٹکتے پھر رہے ہیں تنگنائے کفر میں — رہ نما اُن کے بنیں سوئے صراطِ مستقیم
راز ہے تبلیغ کا "والصبر علیٰ ما" میں چھپا — رازداروں کے لئے ہے وعدۂ اجرِ عظیم

جو کریں گے نصرتِ دینِ جنابِ مصطفیٰؐ
مرحمت ہوگا انھیں انعام "جنات النعیم"

یہ خوب کہی

سید اکبر حسین - اکبرؔ الہ آبادی

بتوں سے میل - خدا پر نظر یہ خوب کہی — شبِ گناہ و نمازِ سحر یہ خوب کہی

قیطن نفیس سرِ کہ حشو، نمائے زرِ مہر شب — یہ لطافت چھوڑ کے جچ کا تستر یہ خوب کہی

تمہاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط — وگرنہ مجھ کو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی

حجابِ شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول — نگاہِ یار ہے بے اثر یہ خوب کہی

شباب و بادۂ و فکرِ مآل کا رجہ خوش — جنونِ عشق و خیالِ خطر یہ خوب کہی

سوالِ وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی — وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

فسطاط

مولوی ظفر علی خاں۔ بی۔ اے

مصر کا عمرو بن العاصؓ نے جب عزم کیا — نصرتِ حق کا ملک لائے فلک سے پیغام

فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن قایدِ فوج — یا ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہِ تمام

جھومتی آتی ہے مستانہ عمرؓ کی تدبیر — چومتی جاتی ہے تقدیر رکابِ اسلام

لانے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں — بات میں جا کے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام

اُن کے اندازہ میں تھی مصر کی دولت کیا چیز — جن کی صولت سے ہوا فیصلۂ قسمتِ شام

نیل پر جا کے غرض ڈال دیا دیں نے پڑاؤ — نصب کچھ دور ہوے ریت میں لشکر کے خیام

پہلے ہی دن ہوے اس راز سے قبطی آگاہ — مصر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مسلم ناکام

مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی لیکن — آ چکا تھا نظر آغاز میں اُس کو انجام

جنگ اور اُس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی — کہ مہینوں کو جدا ہو گئے شمشیر و نیام

مصر کہ جب یہ ہوا سر تو دیا عمرؓ نے حکم — کہ اب آگے بڑھیں رایاتِ سعادت فرجام

عمروؓ سے آ کے یہ خادم نے کہا خیمہ میں — آشیانہ ہے بنا لی ہے یہاں ایک حمام

انڈے بچّے بھی کبوتر کے ہیں اِس گھونسلے میں　　لاکے چوگا وہ کھلاتا ہے اُنھیں صبح اور شام
حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اُکھاڑ　　لد چکے دیر کے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام
عمروؓ نے سُن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا　　کردیا خیمہ ہبہ میں نے کبوتر ہی کے نام
مرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے　　مرے آرام پہ ہے اِس کا مقدّم آرام

شہر اِک اِسلام نے آباد کیا پُر رونق　　تھا کبوتر کا جہاں عمروؓ کے خیمہ میں قیام
خیمہ کے واسطے نام عربی ہے فِسطاط　　پڑ گیا اِس لئے فِسطاط ہی اِس شہر کا نام

ہیں فدا اُس چمن آرائے حجازی پہ ظفر　　جن کے اخلاق کی نکہت سے معطّر ہے مشام
ہو کبوتر سے جب اِسلام کا ایسا برتاؤ　　کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لئے رحمتِ عام

خدا لگتی باتیں

مولوی محمد عبداللہ۔ نیاز۔ لیبہ ضلع مظفرنگر

چاک کر ڈالئے ایماں کا پُرانا جامہ　　زیبِ تن کیجئے پوشاک وفاداری کی
سینہ برچھی سے چِھدے حلق پہ تلوار چلے　　کچھ ہو۔ لیکن نہ کٹے ناک وفاداری کی

آپ گر چاہتے ہوں۔ خان بہادر۔ بننا　　رات دن بوٹ ہر انگریز کے چوما کیجئے
کوئی روئے۔ کوئی چلّائے۔ مگر آپ کو کیا　　گیت گا گا کے گورنمنٹ کے جھوما کیجئے

جن سروں پر یہ ہے کیا ہی مبارک ہیں وہ سر ہوں عہدہ و اعزاز کا بھوت اچھا ہے
قوم کو باغی و مفسد کا لقب دے دینا خیر خواہیِ حکومت کا ثبوت اچھا ہے

انجمن حمایت اسلام لاہور نے اعلان کیا تھا کہ اُس کے زیر اثر مسجدوں میں سیاسی تقاریر وخطبات نہ ہوں۔ اشعار ذیل میں اسی کے طرف اشارہ ہے۔

انجمن کہتی ہے جس میں ہو سیاسیات کی جھلک مسجدوں میں کوئی اس رنگ کی تقریر نہ ہو
اس کو لازم ہے یہ فرمان بھی کر دے صادر پردہ دہر پہ اسلام کی تصویر نہ ہو

ایسے رہزن تو بہت اپنی نظر سے گذرے جو ہیں کر لیتے زر و مالِ بشر پہ قبضہ
لیکن اِس قسم کے ڈاکو نہیں دیکھے پہلے جو جما لیتے ہیں اللہ کے گھر پہ قبضہ

مَن از سرِ جیمس و ٹیلر نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں لالہ جی کرد

چھوڑ دیا

سیّد اکبر حسین۔ اکبر۔ الہ آبادی

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا
ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اِک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دستِ فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا گزرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ ہوا رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے ابلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس حورِ لقا کو گھر لائے ہو تم کو مبارک اے اکبر
لیکن یہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

ٹینس کی اداؤں پر۔ دِل لوٹ گئے لاکھوں — بجلی ہے کہ گر کیا کیا۔ جب زلفِ رسا آئی
شرمیلی نگاہوں کا۔ اتنا ہے فقط پردہ — جالی کی نقابوں سے۔ آنکھوں میں حیا آئی
مِنکوئیٹ کے جلسے ہیں۔ مستی کا مزہ آیا — مے کھینچ کے برانڈی کی جب ہوش رُبا آئی
خاصے کا کبھی اپنے۔ کھانا بھی نہیں کھاتے — روٹی بھی اگر آئی۔ تو کیک نما آئی

فیشن یہ اکڑفوں ہے۔ چہروں پہ سیاہی ہے
کالے بھی بنے گورے۔ کیا شانِ الٰہی ہے

فیشن کی خرابی سے۔ توقیر گئی اپنی — عزت میں لگا بٹہ۔ جاگیر گئی اپنی
تہذیب نئی سیکھی۔ ایمان گنوا بیٹھے — اقبال گیا اپنا۔ توقیر گئی اپنی
اِسلام کی اُلفت کا۔ احساس نہیں رکھتے — جذبہ ہی نہیں آتا۔ تاثیر گئی اپنی
اِس قوم کے فوٹو کا۔ خاکہ ہی نہیں اچھا — بنتی ہی نہیں صورت۔ تدبیر گئی اپنی
اِسلام کے حلقوں میں۔ پابند نہیں رہتے — سب ٹوٹ گئیں کڑیاں۔ زنجیر گئی اپنی
وحدت کی تجلی کا۔ آنکھوں میں اُجالا تھا — اندھیر نہ ہو کیونکر۔ تنویر گئی اپنی
عالم ہے ضعیفی کا۔ بالوں میں سفیدی ہے — نوخیز جوانی کی۔ تصویر گئی اپنی
بردا شتہ خاطر ہیں۔ لکھنا ہے نہ پڑھنا ہے — تقریر گئی اپنی۔ تحریر گئی اپنی

دن رات تردّد ہے۔ اسلام رہے کیونکر
اب قوم کو دنیا میں۔ آرام رہے کیونکر

قرآن پڑھو اپنی۔ جو قوم بنانی ہو — ایمان نظر آئے۔ عزت کی نشانی ہو
عرفاں کا رہے جلوہ ہر وقت نگاہوں میں — وحدت سے عیاں دل میں۔ اسرارِ نہانی ہو
ہر شخص بدل پیرو۔ ہو پند و نصیحت کا — تقریر میں واعظ کی۔ اعجاز بیانی ہو

جو قوم کے رہبر تھے مشہور زمانے میں ‏ اُن کا ہی فسانہ ہو۔ اُن کی ہی کہانی ہو
تہذیب و تمدّن کی کچھ لہر اُٹھے ایسی ‏ دریائے فضیلت کی۔ کوسوں میں روانی ہو
کھانے کے لیے میوے۔ جنّت کے ملیں ہم کو ‏ پینے کے لیے ہردم۔ تسنیم کا پانی ہو
فیشن کے رہیں حامی۔ قرآن کے بندے ہوں ‏ ڈھانچہ ہو نیا لیکن۔ ترکیب پُرانی ہو
اِسلام کی حالت کی۔ تصویر کھنچے ایسی ‏ نقشے میں نظر آئے۔ جو بات دکھانی ہو
جو نہر ترقّی کی۔ آجائے مسلمانو ‏ شاداب گلستاں ہو۔ سرسبز جوانی ہو

وحدت ہو اگر تم میں۔ مقصود نظر آئے
آنکھوں میں خلیق اپنا معبود نظر آئے

شفاخانۂ حجاز

ڈاکٹر اقبال

ایک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا ‏ کھلنے کو جدّہ میں ہے شفاخانۂ حجاز
ہوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرّہ بے قرار ‏ سنتا ہے تو کسی سے جو افسانۂ حجاز
دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف ‏ مشہور تو جہاں میں ہے دیوانۂ حجاز

دارالشفا۔ حوالیٔ بطحا میں چاہیئے
نبضِ مریض پنجۂ عیسیٰ میں چاہیئے

میں نے کہا کہ موت کے پردہ میں ہے حیات ‏ پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
تلخابۂ اجل میں جو عاشق کو مل گیا ‏ پایا نہ خضر نے مئے عمرِ دراز میں
دیں اور کو حضور یہ پیغامِ زندگی ‏ میں موت ڈھونڈھتا ہوں زمینِ حجاز میں

آئے ہیں آپ لے کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درد مسیحا سے کام کیا

اکلِ حلال

شوق قدوائی لکھنوی

نکلے ابراہیم ادہم طالبِ اکلِ حلال چھان ڈالا سب عراق آیا نہ ہاتھ اُن کے کہیں
پھرتے پھرتے ہو گئے وہ سب جگہ سے نا اُمید تب گئے طرطوس کو دلکش تھی جس کی سرزمیں
دس برس تک وہ رہے پائی نہ تنخواہ اُن کی ناروا باغبانوں میں وہ نوکر ہو گئے آخر وہیں
باغ کے مالک نے مانگا ایک دن شیریں انار توڑ لائے وہ ترش تو جھڑکیاں اُن کو دیں
پھر انہیں بھیجا کہ لاؤ اب کے شیریں ڈھونڈ کر لائے تو پھر بھی ترش پا کر سیہ رو شرمگیں
اُن سے بولا کیا نہیں ہے فہم شیریں و ترش کتنے سال اقامت ہو گئے تم کو رہتے ہو یہیں

تب دیا اُس کو یہ ابراہیم ادہم نے جواب
میں تو میووں کو رکھاتا ہوں نہیں کھاتا نہیں

ہمتِ مردانہ

افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش

اے ہمتِ مردانہ تری دور بلا ہے فولاد کا دل رکھتی ہے تو عقدہ کشا ہے
چیرے ہیں پہاڑوں کے جگر دستِ قوی نے تو رستم و دستاں کے لئے حرفِ بقا ہے
دریا ہو تو قطرہ ہے سمندر ہو تو کھاڑی سربازوں نے سر کاٹ کے پُل باندھ دیا ہے

جو خون کہ ٹھنڈا ہے ذرا بھی نہیں گرمی — وہ ایک پتنگے سے ترے برق بلا ہے

ناپے کہیں جنگل کہیں دریا کہیں گھاٹی — فولاد کو پانی کیا پانی سے ہوا ہے

گھڑیاں جو گزرتی ہیں تو گھن پڑتے ہیں دل پہ — پابندیِ اوقات تری بانگِ درا ہے

جو مردہ ہیں مرتے ہیں ترے نام پہ ہر وقت — ادنیٰ سی بھی اک چیونٹی ہاتھی سے سوا ہے

سردار ہے تو کاوش و کوشش تری محکوم — ہر دولت و عزت ترا نقشِ کفِ پا ہے

بے رنج میسر نہیں آتا ہے کبھی گنج
جو جس کو ملا جان کھپانے سے ملا ہے

توحید

عالم علی ـ بجنوری

اے صدائے حق تری الفت سے کب بیگانہ ہوں — تجھ پہ مرتا ہوں میں تیرے نام کا دیوانہ ہوں

وہ مسافر ہوں کہ منزل تک پہنچ سکتا نہیں — وہ تماشائی کہ خود منظر سے بیگانہ ہوں

یوں تو کہنے کو مجھے کہتے ہیں سب "مسلم" مگر — مبتلائے فسق ہوں مستِ مئے رندانہ ہوں

بزمِ ہستی میں مری ہستی ہے اک رازِ خفی — بے مثالِ شمع ہوں سوزِ محبت پروانہ ہوں

سن چکا ہوں میں اذانِ روح افزائے بلال — اے بلال اک میں شہیدِ نغمۂ مستانہ ہوں

ذرہ ذرہ سے طبیعت کا مری ہے درد آشنا — بے خودیِ غم ہے جو خود وہ حاصلِ افسانہ ہوں

سازِ دہ ہوں جو کبھی روکے سے رک سکتا نہیں — ہوں سراپا نالۂ غم نغمۂ مستانہ ہوں

میری رگ رگ سے ہے پیدا اک نوائے سوز و ساز — لاکھ دیوانہ ہوں مطلب کا مگر فرزانہ ہوں

دیکھنا مجھ سے سلوکِ ناروا جائز نہیں — بندہ ہوں لیکن نبی کا مجرمِ شاہانہ ہوں

جس گل و گلشن پہ نازاں ہیں جوانانِ چمن　　میں بھی اُس گلزار کا اک سبزۂ بیگانہ ہوں
کیا عجب ہے ساقیٔ کوثر کی ہو مجھ پر نظر　　سرخوشِ صہبائے حق ہوں بندۂ مستانہ ہوں

مے کشِ توحید سے کوئی خفا ہو کس لئے
میری باتوں پر نہ جائیں میں تو اک دیوانہ ہوں

قسمت

پیرزادہ عبدالعزیز شوق

ایک روز کسی دوست نے یہ شوق سے پوچھا　　کچھ آپ کو معلوم ہے تقدیر کی نسبت
قسمت کا جو سنتے ہیں مسلمانوں میں جھگڑا　　کیا آپ نے سمجھی ہے بھلا اُس کی حقیقت
ہر قوم میں گو قائلِ تقدیر ہیں لیکن　　کیا وجہ ہے مسلماں ہیں بہت شاکیٔ قسمت
ہر وقت ہے کیوں قوم میں تقدیر کا رونا　　ہر فردِ بشر کیوں ہے گرفتارِ مصیبت
کیوں آتی ہیں اِدبار کی کانوں میں صدائیں　　کیوں قوم بنی جاتی ہے تصویرِ مذلت
سن کر یہ کہا میں نے کہ اے صاحبِ دانش　　یہ بات تو ہے صاف نہیں غور کی حاجت
اِسلام ابھی خوابِ حکومت سے نہ جاگا　　گو سر میں ابھی باقی تھا سودائے حکومت
اور بادۂ عشرت سے ابھی مست ہوئے تھے　　اِس حال میں جب آکے پڑی سر پہ مصیبت
جو ہاتھ کہ بیکار رہے کارِ جہاں سے　　جو دل کہ رہے غرقِ خیالِ مے عشرت
کس طرح سے بگڑے ہوئے وہ کام بناتے　　ہو سکتا تھا کب اُن سے علاجِ غمِ عسرت
جس دم انہیں ناکامی نے ہر سمت سے گھیرا　　باقی نہ رہی بازوئے ہمت میں بھی طاقت
جو خون کبھی گرم تھا۔ اب سرد ہوا تھا　　اِدبار و مصیبت سے نہ تھی لڑنے کی عادت

کوشش کہ جو معراجِ ترقی کا ہے زینہ　　تھی اِس کی بھی صورت سے مسلمانوں کو نفرت
جب دہر میں تنگ آگئے افکارِ جہاں سے　　اور آئی رہائی کی نظر کوئی نہ صورت
ہر سمت سے ادبار نے اِس طرح جو گھیرا　　ناچار ہر اِک شخص ہوا شاکیِ قسمت
پائی جو دلِ زار نے اِس طرح سے تسکین　　اور فکر و تردّد سے ہوئی اُن کو فراغت
ہر بات میں ہر کام میں پھر سمجھا اُنھوں نے　　ناکامیِ ہمت کو بھی۔ ناکامیِ قسمت
افسوس رہے یہ تو مقدّر ہی کو روتے　　اور صاحبِ ہمّت ہوئے سب صاحبِ قسمت
مانا کہ ہے تقدیر بھی عالم میں کوئی چیز　　پر فتحِ مقدّر کے لئے چاہیئے ہمّت
ہے قاف سے قسمت کے عیاں قوّتِ بازو　　اور سین سے ظاہر ہے سمجھ لینے کی طاقت
اور میم کا ایما ہے کہ محنت بھی کئے جاؤ　　تیّار ہو ہر کام کو۔ ہے تے کی اشارت
مفہوم کو قسمت کے مسلماں جو سمجھتے　　ممکن نہ تھا۔ ہوتے یہ گرفتارِ ہلاکت

وہ شاہدِ قسمت کے ہیں دیدار سے محروم
جو کارِ جہاں میں کبھی کرتے نہیں ہمّت

ساقی کو صلاحِ نیک

(ڈاکٹر اقبال)

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں　　کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی
نشہ پلا کے گرانا تو تجھکو آتا ہے　　مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں مری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

پہلے کچھ دیر تو شرماتے رہے ۔ پھر بولے
اباجان! آپ نہ پوچھیں یہی از راہِ کرم

پڑھ چکا ہیں بھی مسلمانوں کے بچوں کی طرح
جاؤ کا ترجمہ "گو" "آؤ" کی انگریزی ہے "کم"

اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے فی الحال
اک مسلمان کے بچے کو یہی ہے کیا کم؟

سچ تو یہ ہے کہ ہیں اب وردِ زباں یہ دو شعر
حضرتِ خواجہ حافظ کے کہ ہیں جو رقم

"فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ یار
چہ کنم حرفِ دگر یاد نداد استادم"

مُسرف اور بخیل

حالی

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کرتے ہو تم ۔ کرتے ہو مُسرف کی مذمت

لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت

اسراف بھی مذموم ہے ۔ پر بُخل سے کمتر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اس کا
یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجبِ رقت

کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلفِ اس وقت
جب قوم میں اِفراط سے تھی دولت و ثروت

وہ جانتے تھے قوم ہے جس وقت تونگر
پھر اُس میں نہیں بُخل سے بدتر کوئی خصلت

اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال
گھر گھر ہے یہ چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
پرواز کی ہے چیونٹیوں کو جیسے ہدایت

شمعِ ہدایت

ظفر علی خاں - بی اے

وہ شمع اُجالا جس نے کیا - چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی - سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں - لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں - یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا - اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے - بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے - لے آئیں دوکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈھے سے ملے گی عاقل کو - یہ قرآن کے سیپاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی - بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی - کچھ فرق نہیں اِن چاروں میں

فرشتے کا پیغام

غلام رسول - مہر - بی - اے - کپورتھلوی

ایک آسمانی فرشتہ روئے زمین کے ایک شاعر کو پیغام سنا رہا ہے

اِک شور ہر طرف ہے - لیکن خموش ہے تو   پتھر برس رہے ہیں - آئینہ پوش ہے تو
نا محرم صدائے ہستی کی انجمن کیوں   بے ہوش ہو گئی ہے - تیری نئے کہن کیوں

محتاجِ سوزِ بیروں ۔ شمعِ سپند کیوں ہے | نادان صورتِ بو ۔ غنچے میں بند کیوں ہے
جو زینتِ جہاں تھیں ۔ صحرا کی انجمن میں | مرجھا گئیں وہ کلیاں گلشن کے پیرہن میں
ہو دورِ شش آشنا اب مضرابِ سازِ ہستی | کب تک رہے گی دنیا ۔ محرومِ رازِ ہستی
پھر تازہ ہو رہا ہے ۔ عہدِ کہن زمیں پر | رخشاں ہوئے ہیں جلوے کیا طور کی جبیں پر
سن بھی ذرا درا کی ۔ آوازِ دل ربا کو | منزل چلی ہے لینے ۔ رہوارِ خفتہ پا کو
اے آبِ گوہرِ دل ۔ طوفانِ جوش تو ہے | کھل جا میانِ محفل ۔ رازِ سروش تو ہے
مسلم کے دل میں سوزِ پیغامِ تازہ بھر دے | اس آئینہ کو صرفِ لطفِ گداز کر دے

(۳)

فرشتہ ایک مسلمان کو پیغام دے رہا ہے

مسلم! اے روشنیِ دیدۂ امکاں مسلم! | مسلم! اے ضامنِ آسائشِ انساں مسلم!
سلکِ ہستی میں فقط گوہرِ عالی ہے تو | چمنِ سیدِ کونین کا مالی ہے تو
سیکڑوں طور فروزاں ہیں ترے سینے میں | کنزِ مخفی ہے امانت اسی گنجینے میں
گر مرقع میں جہاں کے تری تصویر نہ ہو | خیمہ زن زالِ زمیں پر فلکِ پیر نہ ہو
آہ! تو اپنی حقیقت سے خبردار نہیں | جلوہ گر یوسفِ کنعاں ہے خریدار نہیں

زندگانی یہ تری تنگ ہے اللہ کی زمیں | زیرِ گردوں کوئی جا ہے بھی رکھے جس پہ جبیں
جب ترے خون میں غیرت کی حرارت نہ رہی | چشمِ اغیار میں توحید کی حرمت نہ رہی
بدعت و شرک کے پنجے میں گرفتار ہے تو | دست و پا بستہ ہے ۔ بے بہرۂ گفتار ہے تو
پھونک کر آگ یہ کہتے ہیں ستم آرا اٹھیں | یعنی فریاد کو بھی ظلم کے مارے نہ اٹھیں

ہائے اے ہجرِ نوازی سے بہلنے والے — دوریٔ راہ سے منزل کو بدلنے والے
داغ خود داریٔ آبا کو لگایا تو نے — خاک میں گوہرِ تاباں کو ملایا تو نے
اپنے اسلاف سا پہلو میں ترے جوش کہاں — موجِ بیتاب کہاں - ساحلِ خاموش کہاں

اس نئی نغمہ زنی نے کیا برباد تجھے — محوِ گلزار ہوا - گھر نہ رہا یاد تجھے
روحِ ہر ذرّۂ ہستی ہے طلبگارِ حیات — تو ہوا نابلدِ مسلکِ پیکارِ حیات
کفر محفوظ رہا ہو کے بڑھا ہے حد سے — خُمِ توحید بچا سنگِ بلا کی زد سے
یہ ہوا جور تو پھر تو کہاں - اسلام کہاں — مٹ گیا کعبہ تو حاجی کہاں - احرام کہاں
ظرف ٹوٹا تو نشہ بھی نہیں مے بھی نہیں — نے شکستہ میں نغمہ بھی نہیں نے بھی نہیں

کیوں ہے مایوس؟ زمانے کا نہیں ایک مدار — پھر رواں باغ میں ہونے کو ہے فرمانِ بہار
قطرے قطرے میں ہے ہیجانِ تمنا کا ظہور — یعنی دریا کا سکوں پھر ہوا طوفاں دستور
ظلمتِ شام میں آتا ہے نظر نورِ سحر — شمعِ کشتہ کے دھوئیں میں ہے عیاں قصّۂ شرر
بادہ بیتاب ہے مینا سے اچھلنے کے لئے — "آسماں تاک میں ہے رنگ بدلنے کے لئے"
چشمِ ساقی میں ہے تاثیرِ کشش دل بھی وہی — آنکھ تو کھول کہ جینے کو ہے محفل بھی وہی

دہر جولاں کدۂ ناقۂ لیلےٰ ہو جائے
تو ہو بیدار تو کیا جانئے کیا کیا ہو جائے

ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

مولوی محمد علی۔ بی۔ اے

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھئے — کب درِ میخانۂ کوثر کھلے

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے — پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پَر کھلے

چاک کر سینہ کو پہلو چیر ڈال — یوں ہی کچھ حالِ دلِ مضطر کھلے

رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہیں — رازہائے بادہ و ساغر کھلے

لو وہ آ پہنچا جنوں کا قافلہ — پاؤں زخمی خاک منہ پر سر کھلے

ہوں جو کثرت ہی کے قایل ان پہ کیا — رازِ فتحِ سبطِ پیغمبر کھلے

رونمائی کے لئے لایا ہوں جان — اب تو شاید چہرۂ انور کھلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا — ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

یہ نظربندی تو نکلی رو سحر — دیدہ ہائے ہوش اب جاکر کھلے

اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم — حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش — معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہی اے قیدِ فرنگ — بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

تجزیہ و تعزیہ

شبلی

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفریق و تجزی تھی — یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے
مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا — وضو خانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

دردِ دل

امام الدین جانفدا

موافق میرے یارب ہوگا دورِ آسماں کب تک — رہے گا دور منزل سے ہمارا کارواں کب تک
بہار آئے گی کب تک گلشنِ اسلام میں یارب — رہے گا اس طرح اُجڑا ہمارا بوستاں کب تک
یوں ہی تاراج گر ہوتا رہا گلزارِ اسلامی — تو پھر مرغِ چمن کب تک بناوے گا آشیاں کب تک
ہزاروں چند یوں ہی جو کرتے تھے بیاں جہانبانی — کرے گا اے فلک اُن کو تو رسوائے جہاں کب تک
پھریرے جو اڑاتے تھے کبھی اقبال و شوکت کے — نشاں اُن کا مٹائے گا تو اے دورِ زماں کب تک

ذرا اے اہلِ ملت ہوش میں آؤ۔ اٹھو جاگو — سرِ بستر پڑے یوں لوگے تم انگڑائیاں کب تک
یوں ہی کب تک رہے گا منتشر شیرازۂ قومی — یونہیں بادِ مخالف کی چلیں گی آندھیاں کب تک
خدارا رحم کر۔ اے قوم اپنی زار حالت پر — نفاقِ مذہبی تا کے۔ یہ خانہ جنگیاں کب تک
شبِ تاریک۔ بیمِ موج۔ گرداب چنیں حائل — یہ شورِ الاماں کب تک۔ دعائے حفظِ جاں کب تک

جو دل صد زخم خوردہ ہو۔ مگر جیسا پارہ پارہ ہو　　تو ہو ضبطِ فغاں کب تک چھپے دردِ نہاں کب تک
زباں بھی اب تو بے قابو ہے۔ دست و پا کا کیا رونا　　سلامت دیکھئے رہتی ہے جانِ ناتواں کب تک

رہے گا خندہ زن کب تک۔ زمانہ اہلِ ملّت پر
رہے گا حافظِ رنجوریوں گریہ کناں کب تک

حالتِ قوم

خاکسار کلیمؔ۔ مؤلفِ دردِ دل

دوستو! حیران کیوں ہو مجھ کو حیراں دیکھ کر　　ہوں پریشاں قوم کا حالِ پریشاں دیکھ کر
جل گیا پہلے ہی سارا خرمنِ احساسِ قوم　　کیا کریں اب آسماں پر ابرِ باراں دیکھ کر
ذلّت و نکبت کو سمجھیں رحمت و فضلِ خدا　　اب بھی کھل جائیں اگر آنکھیں یہ ساماں دیکھ کر
ہائے اب بھی کچھ نہیں احساس اپنا قوم کو　　رنج و غم۔ درد و قلق۔ اندوہ و حرماں دیکھ کر
اپنے قبضے سے نکل جائے تو کیوں رو ئے نہ دل　　غیر کے ہاتھوں میں اب مُہرِ سلیماں دیکھ کر
کس طرح سمجھیں کہ ہوگا قوم کو احساسِ قوم　　جب نہیں احساس بربادی کا ساماں دیکھ کر
ہم بھی اب اگلی روش اپنی بدل دیں بے دریغ　　سیر کرنا چاہئے رنگِ گلستاں دیکھ کر
ہم بھرے بیٹھے ہیں کہہ گذریں گے ساری سرگذشت　　کچھ وہ پوچھیں تو سہی ہم کو پریشاں دیکھ کر
اب تصوّر سے بنی ہے اُن کی جانِ زار پر　　زندہ رہتے تھے جو پہلے روئے جاناں دیکھ کر
رہ گئی گلشن میں بلبل آہِ حسرت کھینچ کر　　کل جہاں گُل تھا وہاں خارِ مغیلاں دیکھ کر
درد کی لذّت بڑھی شوقِ نمک پاشی کے ساتھ　　زخمِ دل بڑھتا گیا ظلمِ نمکداں دیکھ کر
کیا کریں افسوس کچھ تدبیر بن پڑتی نہیں　　انقلابِ دہر و دورِ چرخِ گرداں دیکھ کر

دل میں سمجھا ہے کہ دورِ انقلاب اب مٹ گیا — کیا کھِلا جاتا ہے دشمن ہم کو گریاں دیکھ کر

ہائے کب ہوگا وہ دن دیکھیں گے جب روئے کمال — دل گھٹا جاتا ہے بربادی کا ساماں دیکھ کر

گریۂ خونیں ہمارا اُس کو وجہِ خندہ ہے — آسماں ہو کیوں نہ گریاں ہم کو خنداں دیکھ کر

تھا ہماری قوم کا ہر ایک ایسا پہلواں — جسمِ رستم بھی جسے ہوتا تھا لرزاں دیکھ کر

تھیں جو کل تک خوشہ چینِ التفاتِ یک نظر — آج ہنستی ہیں وہ قومیں ہم کو گریاں دیکھ کر

گنبدِ ایواں تھا جس کے چرخ بھی پابوس تھا — رو پڑی قسمت بھی اُس کو خانہ ویراں دیکھ کر

صفحۂ گیتی پہ باقی ہے نشانِ رفتگاں — چرخ سر دھنتا ہے اب تک اُن کے ایواں دیکھ کر

حاملِ توقیر و عزت لفظ "مسلم" تھا کبھی — اب قلی کہتے ہیں سب ہم کو مسلماں دیکھ کر

کس پہ ہو مشقِ جنوں باقی نہیں ہے ایک تار — رہ گیا دستِ جنوں اپنا گریباں دیکھ کر

پوچھتے کیا ہو کہ کیا گذری ہے دل پر واردات — حالِ دل پہچانئے شکلِ پریشاں دیکھ کر

جوش پر آتا ہے پھر صحرا نوردی کا جنوں — چھوٹتا ہے پھر وطن خارِ مغیلاں دیکھ کر

کون لائے گا یقینِ عشرتِ ایامِ گل — اب ہماری قوم کا رنگِ گلستاں دیکھ کر

اس سے ہی بامِ ترقی پر کبھی پہونچے تھے ہم — کاش سنبھلے قوم اپنی اب بھی قرآں دیکھ کر

دشمنی پر بھی فلک قائل جہانبانی کا ہے — کابل و ہندوستاں و روم و ایراں دیکھ کر

افتخارِ خاص تھا اپنا کبھی ایفائے عہد — سہم جاتا ہوں شکستِ عہد و پیماں دیکھ کر

بارک اللہ رنگ بدلا نظم نے تیری کلیم
حسرت آتی تھی تجھے پہلے غزل خواں دیکھ کر

۱۳۶۲۴

حصۂ اول تمام شد